2 نوآبادیاتی حکومت اور دستکاری

جب آپ ہندوستان کے دستکاری میوزیم میں شاندار اشیا دیکھیں تو آپ کو یہ جان کر حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں ہمارے برآمدات کا وافر حصہ دستکاری کی صنعت سے متعلق رہا ہے۔ درحقیقت ہندوستان کی دستکار برادری نے فنی اعتبار سے ایسی شاندار اشیا بنائی ہیں کو حاصل کرنے کے لیے دور دراز سے سوداگر یہاں آتے رہے ہیں۔ سترھویں صدی کی شاہی سرپرستی، تجارت، جاگیرداری نظام اور دیہی آبادی کی جانب سے روزمرہ استعمال کی اشیا کی مانگ (سترھویں صدی کے نصف آخر تک) کے نتیجہ میں ہندوستان دستکاری کے ایک مضبوط گھریلو بازار کے طور پر ابھرا اور ساتھ ہی عالمی پیمانے پر اس کی شہرت ہوئی۔

مغلوں کے عہد میں ہندوستان میں ایک فرانسیسی سیاح ٹورنیئر لکھتا ہے کہ شاہ ایران (1628-1641) کے سفیر نے ہندوستان سے واپس ہونے کے بعد اپنے بادشاہ کو ایک ناریل کا خول تحفہ میں پیش کیا جس میں جواہرات جڑے تھے اور جس میں اور تیس گز لمبی ململ کی پگڑی رکھی ہوئی تھی جو اس قدر نفیس تھی کہ چھونے پر بھی مشکل سے ہی اس کے ہونے کا احساس ہوتا تھا۔

تجارت

ہندستان طویل عرصے سے دوسرے ملکوں کے ساتھ دستکاری کی اشیا کی تجارت کرتا رہا ہے جس کا آغاز پانچ ہزار سال قبل ہڑپا تہذیب میں ہوا۔ اس کے بعد کی صدیوں میں یونان و روم کے ساتھ تجارت میں فروغ ہوا جس کے تاریخی شواہد ادب اور آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے ملے ہیں۔ بڑھتی ہوئی تجارت کے نتیجہ میں خشکی کے راستے وجود میں آئے مثلاً شاہراہ ریشم (Silk Rout) جس کے ذریعہ ریشم ایشیا کے راستے چین سے یورپ لے جایا جاتا تھا۔ ایسی تفصیلات ملتی ہیں جن میں کاروانوں، مختلف زبانیں بولنے والے تاجروں اور راستے میں تجارتی مراکز یا اسٹیشنوں پر ان کی باہمی ملاقات کا ذکر ہے۔ ہندوستان کے بحری ساحلوں پر جہاز بنانے کے مراکز اور بندرگاہیں تعمیر ہوئیں۔ غیر ملکی تذکرہ نویسوں اور سنگم ادب میں بحیرۂ روم کے ممالک، سری لنکا، میانمار، جنوب مشرقی ایشیا اور چین کے لیے سمندری راستوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔

© NCERT not to be republished

In Balangir at Ghoda Ghat - artisans make golden grass mats, baskets, small boxes and sell at weekly markets called haats and at fairs organised by the government.
Baliapal in Balasore famous for mats woven on looms.
In Ganjam (now Gajapati) there are mat makers, and carvers of betel nut. They make small intricately carved containers, miniature statuettes. Large variety of baskets of all sizes for all purposes. Most shops and stalls in haats and melas use a variety of baskets as shelves for display. Local spice sellers sell their spices in baskets. Toys and sweets for children come packed in baskets at shops and temples. Bird cages and conical fishing baskets are also popular.
There is a hardy grass abundant in drought prone areas called sabai used for baskets, mats and furniture. Sabai grass rope is woven intricately on bamboo frames at Balangir & Baliapal in Balasore.
Silver work &
The craftsmen of the Swarnakara and
ornaments.
Silver filigree work is a famous tradition
lacy ornaments, boxes, toys made with fine
popular.
Silversmiths live in Cuttack where there is
shops which sell intricate weblike necklaces,
frames, boxes, earrings, brooches and
Ganjam has silversmiths who make
so skillfully assembled as to make it
Tribal jewellery include Kiapatri
screw-pine plant), Phara Kathi (a kind
pendant chains), Bakra-Deunari
shaped ornament with pendants)
ornament with a hook). To keep the
ornamental net called Mathajali or
set called Moti matha jali or Mukta
on the line of parting the hair. Matha
The other ornaments are
Chudamani and Bahuretha.
Guna, Manika Guna, Nath
Guna,
malli-
Tattan
those
of
of
Kuna
visito
ork & Masks
make paper masks.
represent characters
mayana and
- traditional
masks that are
sional theatre.
ana.
ely made in
ornaments.
apish
Paddy, Leather, Paper & Beads
Craftspersons string fresh paddy together to make intricate paddy crafts including jewellery boxes, in the shape of auspicious coconut shells to celebrate the new harvest.
In Dasapalla craftspersons make leather belts, purses, bags and shoes.
Ornaments are made with terracotta, brass and bell metal, Dhokra and lacquer beads. Also ornaments made from silver coins, copper, brass beads in Dhenkanal.
Potte
Potters
dishes,
designs
used in the
Woodwo
In Puri craftsmen
These masks
from the Ra
Mahabharata.
In Bhubaneshwar and Puri
craftsmen make beautiful wooden
used in Sahi Yatra, a form of proces
representing characters from the Ramay
Headgear for these masks are intricat
sholapith (bamboo pith) and zari (tinsel)
These head gear are made by shol
carvers living near Puri. Danda Nata
folk theatre form used the hollow
wooden horse - called 'Chaitri
Based upon Survey of India map

دانت اور صندل کی لکڑی کی تجارت ایک منافع بخش پیشہ بن گیا تھا۔ جواہرات مثلاً موتی اور قیمتی پتھر مثلاً ہیرے کی تجارت نے ہندوستان کو قدرتی وسائل اورآمدنی کے وسیلے کے طور پر شہرت بخشی تھی۔ ہندوستان کے غیر معمولی ہنر اور قدرتی وسائل سے مالا مال خطے کے طور پر ہونے کی شہرت نے یوروپی تاجروں کو یہ لوگ ہندوستانی تجارت سے منافع کی امید پر اپنی جان کی بازی لگانے کے لیے تیار تھے۔

مارکو پولو (1324-1254) کے مشرق کے سفر کی روداد میں گولکنڈہ کا تذکرہ ملتا ہے جواب آندھرا پردیش میں ہے۔:

''اس سلطنت میں ہیرے پیدا ہوتے ہیں۔ میں بتاتا ہوں کہ یہ کیسے حاصل کیے جاتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سلطنت میں بہت سے پہاڑ ہیں جہاں ہیرے ملتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو ان پہاڑوں سے تیزی کے ساتھ پانی تنگ گھاٹیوں اور غاروں کے راستے بہتا ہے۔ جب بارش رک جاتی ہے اور پانی خشک ہو جاتا ہے تب لوگ ہیرے کی تلاش میں ان گھاٹیوں کی جانب جاتے ہیں جہاں سے پانی گذرا ہے اور انھیں وافر مقدار میں ہیرے ملتے ہیں۔ گرمیوں میں جب ایک قطرہ بھی پانی نہیں ہوتا ہے تو ہیرے پہاڑوں پر ملتے ہیں۔''

آگے بہت خوش مزاجی کے ساتھ لکھتا ہے۔:

''ہیرے پانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے۔ عقاب جب گوشت کھاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہیروں کو بھی نگل لیتا ہے۔ رات کے وقت عقاب جب واپس ہوتا ہے تو نگلے ہوئے ہیروں کو باہر نکال دیتا ہے۔ اس طرح سے بھی لوگ ہیروں کو جمع کرتے ہیں جو اچھی خاصی مقدار میں ہوتے ہیں... آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ساری دنیا میں صرف اسی سلطنت میں ہیرے پائے جاتے ہیں۔

— رونالڈ لاتھم

مارکو پولو: دی ٹریولر

© NCERT not to be republished

موریہ سلطنت (300 قبل مسیح) تک تاجروں اور دستکاروں کی جماعت جو تجارت کے سبب دولت مند اور مستحکم ہوگئی تھی انھوں نے بودھ مٹھوں کی تعمیر کے لیے خاطر خواہ رقم فراہم کی۔ یہ لوگ بڑھئی اور لوہار، جوہری اور سونار، بنکر اور رنگ ریز، عطر فروش اور سنگ تراش وغیرہ تھے۔ مشرق وسطی اور جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ مسلسل تجارت معیشت کا ایک اہم ذریعہ تھی۔

کپڑوں کے میدان میں ہم جنوب مشرقی ایشیا کو سارنگ (Sarongs) برآمد کرتے تھے اور مشرقِ وسطی کو بہترین اور قیمتی ململ، مغربی افریقہ کو گرجا گھروں میں پادری کی اہم میزیں (Altar Fronts) یورپ کو ریشمی اور اونی کپڑے بشمول ملبوسات برآمد کیے جاتے تھے۔ ان ممالک میں ان تمام کپڑوں کو ''آسائش کا سامان'' تصور کیا جاتا تھا۔

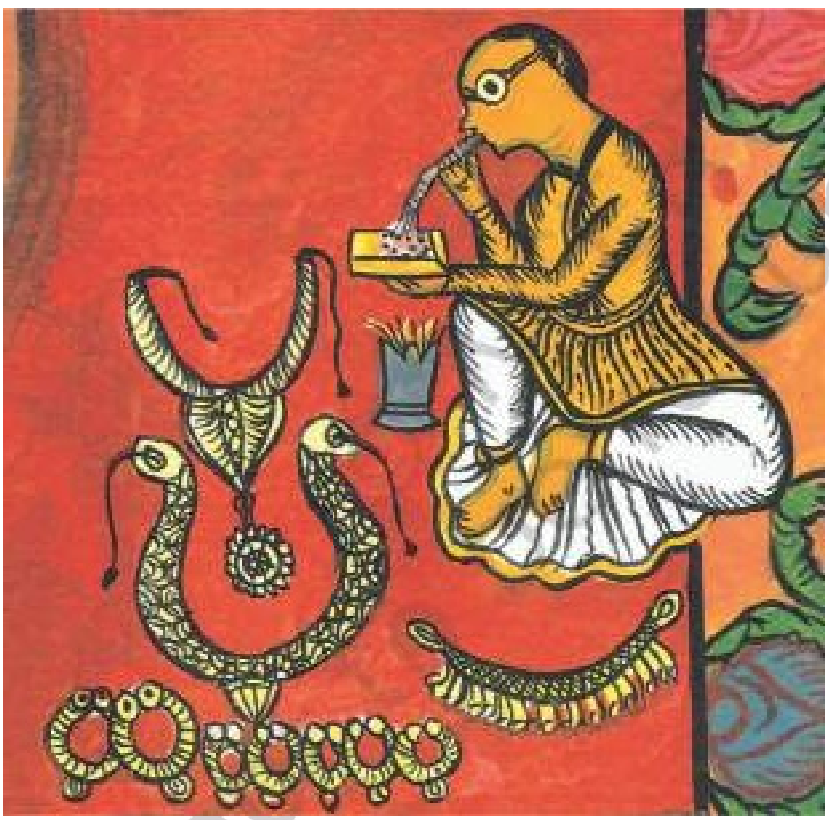

کورومنڈل ساحل سے تجارت کا مثلث نما نظام تھا۔ عرب کورومنڈل ساحل کے لیے سونا اور چاندی لاتے تھے۔ یہاں سے اس کے بدلے کپڑے لے جاتے اور پھر ملیشیا میں کپڑوں کے بدلے مسالے لے کر مشرقِ وسطیٰ لوٹ جاتے تھے۔

عہد قدیم اور عہد وسطیٰ میں ہندوستانی سوتی کپڑے، جواہرات، مرچ اور دھنیا جیسے مسالے، ہاتھی

وہ کپڑوں کو ایسے رنگوں سے رنگتے تھے جو دھلنے کے بعد میں پھیکے پڑ جاتے یا بالکل ہی اڑ جاتے تھے۔

1625 تک انگلستان میں لوگوں کی پسند میں انقلاب رونما ہو چکا تھا۔ درآمد کیے ہوئے زیادہ تر ہندوستانی ٹیکسٹائل بستروں کو سجانے کے لیے استعمال کیے جانے لگے جسے گھر کا سب سے قیمتی فرنیچر تصور کیا جاتا تھا۔ چمکیلے رنگ اور پھولوں کی نئی طرح کی نقاشی لوگوں کے لیے جاذب نظر بنی، جس کا یورپی کپڑوں میں وجود بھی نہ تھا۔ سترھویں صدی کے نصف آخر سے انگلستان، فرانس اور نیدر لینڈ میں ہندوستانی چھینٹ کی مانگ بڑھنے لگی۔

ذہین اور تیز تاجروں نے محسوس کیا کہ خاص ڈیزائن بنا کر ان کی پہنچ مزید وسیع بازاروں تک ہو سکتی ہے۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے پالمپور (Palempore) بنوانے کا انتخاب کیا جو ایک شاخدار درخت ہے اور بعد میں یہ شجرِ حیات (Tree-of-life) ڈیزائن کی شکل میں مشہور ہوا۔ کشمیری شالوں کی بنائی بھی انگلستان میں ہونے لگی۔

کارخانے اور تجارت:

سترھویں صدی میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی اور فرانس و ہالینڈ کی دوسری تجارتی کمپنیوں نے فیکٹریاں تقریباً ایک ہی وقت میں ہندوستانی ساحلوں کے نزدیک کارخانے اور نئی شہری آبادیاں قائم کیں جہاں خصوصی طور پر برآمد کے لیے بنائی گئی اشیا کو ذخیرہ کیا جاتا تھا۔ اس طرح کا ساز و سامان تیار کرنے کے لیے یہاں بڑی تعداد میں لوگ یہاں کا رخ کرنے لگے ساتھ ہی دستکار برادریاں بھی یہاں منتقل ہونے لگیں۔ شہری مراکز اور ساحلی قصبوں نے دستکاروں کو اپنی جانب متوجہ کیا کیوں کہ یہاں دولت مند صارفین موجود تھے اور برآمدات کی ایک وسیع منڈی تک رسائی کے مواقع تھے۔

انیسویں صدی کے آغاز تک کئی پرانی دستکاریوں میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ اڈیشہ اور بنگال کے روایتی 'پٹوا' دستکاروں نے لکڑی تراشنے اور بلاک پرنٹنگ کا ہنر اختیار کیا اور ایسی اشیا بنائیں جنھیں آج ہم کالی گھاٹ آرٹ کے نام سے جانتے ہیں۔ جسے دیہی بنگال کے دولت مند زمینداروں کی سرپرستی حاصل تھی جبکہ بنارس کے بازاروں میں زیادہ تر کمخواب ملتا تھا جسے اودھ اور بنگال کے نئے امرا پسند کرتے تھے۔

دستکاروں سے خام مال فراہم کرنے والوں تک:

1800 سے 1860 کے درمیان صنعتی انقلاب نے انگلستان اور یورپ میں اشیا کی پیداوار کے طریقۂ کار میں ایک انقلاب برپا کیا جس کا ہندوستان کی دستکاری کی تجارت پر منفی اثر پڑا۔

© NCERT not to be republished

ہندوستان کپڑے کی پیداوار کا ایک مرکز

ایک پرتگالی سیاح لکھتا ہے: ''کیپ آف گڈ ہوپ (افریقہ میں) سے لے کر چین تک ہر شخص، مرد ہو یا عورت کر گھے پر بُنے ہندوستانی کپڑوں میں سر سے پاؤں تک ملبوس ہوتا ہے۔'' نوآبادیاتی نظام کی آمد تک ہندوستان دنیا میں کپڑا برآمد کرنے والا سب سے بڑا ملک شمار کیا جاتا ہے۔

سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے دوران یوروپی تاجروں کی ہندوستان آمد کی وجہ کپڑوں اور مسالوں کی تجارت تھی اس وقت گوشت وغیرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے فرج کا وجود نہیں تھا اور اس کام کے لیے مسالوں کی ضرورت تھی۔ برطانیہ کے ساتھ سہ رخی تجارت کا فروغ ہوا جس میں وہ افریقی غلاموں کو امریکہ بھیجے تھے جو ان کے لیے کافی فائدے کا سودا تھا اور ان سے جو نقدی ملتی اسے وہ ہندوستانی اشیا کو خریدنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

> ''سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے دوران مغربی ممالک جس طرح سے ہندوستانی کپڑوں کو اپناتے تھے اور جو اس کی کھپت کی شرح تھی اس کا مقابلہ تمباکو، آلو، کافی یا چائے کی ایجاد اور اس کی مقبولیت سے کیا جاسکتا ہے۔''
>
> — کے۔ این۔ چودھری

1599 میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے ساتھ انگریز اور بعد میں ڈچ اور فرانسیسیوں نے ہندوستانی کپڑوں کو لندن برآمد کرنا شروع کیا جسے وہاں سے بحیرۂ روم کے مشرقی ممالک میں برآمد کیا جاتا تھا۔ جلد ہی انھوں نے ایسے کپڑوں کی زبردست مانگ کا اندازہ ہوا جن کے رنگ پکے ہوتے تھے

(یعنی پھیکے نہیں پڑتے تھے)۔ ان دنوں یوروپ میں دستکاروں کو پکے رنگوں کو رنگائی کی تکنیک کا علم نہ تھا اور

© NCERT not to be republished

کشمیری شال

1600 سے 1860 تک تقریباً ڈھائی سو سال کے عرصے تک وادی کی معیشت کا دارومدار کشمیری شال پر تھا۔اسے مغل ،افغان ،سکھ اور ڈوگرا حکمرانوں کی سرپرستی حاصل تھی جنھوں نے یکے بعد دیگرے یہاں حکمرانی کی۔انیسویں صدی کی آمد تک اس کی شہرت یوروپ کے علاوہ بلکہ جنوب ایشیا کے شاہی درباروں اور تجارتی شہروں تک پھیل چکی تھی۔اس طرح سے شال باقی کے کارخانوں کے مالکوں نے صوبہ کی معیشت پر خاطر خواہ اثر ڈالا کیونکہ شالوں کی فروخت سے ہونے والی آمدنی صوبہ کی اراضی کی کل آمدنی سے بھی زیادہ تھی۔1861 میں شال کا کاروبار اپنے عروج پر تھا اور اس سال بہت زیادہ آمدنی ہوئی۔

شال کی تجارت کشمیری معیشت کی جان ہے۔اس بات سے بخوبی واقف ڈوگرا حکمرانوں نے ''داغ شال'' نام سے ایک شعبہ بنایا جو اس قسم کی ہر شال کی بنائی کے ہر مرحلہ پر ٹیکس وصول کرتا تھا۔'پشم' کی درآمد، رنگائی اور یہاں تک کہ کشیدہ کاری کی ایک لڑی پر محصول لیا جاتا تھا۔ٹیکس کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ ایک معمولی شال بنانے والے کو اپنی آمدنی کے سات روپے میں سے پانچ روپے سرکار کو دینے پڑتے تھے۔ان کی مفلسی اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ انھیں کم قیمت پر دیے جانے والے اناج کی مقدار میں بھی کٹوتی کردی جاتی تھی۔

تاہم اس ٹیکس کے باوجود کشمیری شال کی صنعت انیسویں صدی کے اواخر میں خاصی خوشحال ہوگئی کیونکہ فیشن کی اس بیش قیمتی چیز کی یوروپی ممالک میں مانگ بڑھتی جارہی تھی۔

لیکن اسکاٹ لینڈ کے شہر پیسلے میں کشمیری شالوں کی نقالی ہونے لگی جس کے سبب وادی میں کشمیری شال کی پیداوار پر منفی اثر پڑا۔

شال کے تاجر خوش حال ہوئے اور ان کی وجہ سے اور ان کے نفیس اور عمدہ شال کی بڑھتی مانگ کے سبب صوبہ میں بھی ترقی ہوئی۔ان کے منافع کی شرح عام طور پر پانچ سو فی صد ہوتی تھی۔1871 تک 28 لاکھ روپے کی شال برآمد کی گئیں۔1890 کے آتے آتے حکومت نے خود کو اس صنعت سے الگ کرلیا اور ''داغ شال'' کا شعبہ بھی ختم کردیا گیا۔

کولونیل اینڈ انڈین ایگزیبیشن 1886 کے ہندوستانی کیٹلاگ میں اس شعبہ کے ختم کرنے کے سنگین نتائج کا مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

''جس سے کشمیر کو پہلے ہر سال ۵ لاکھ روپے ملتے تھے اس کی حالت اب ناگفتہ بہ ہے۔اگر حکومت نے اس کے تحفظ کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا تو اچھی شال بننے کا ہنر پندرہ بیس سال کے عرصہ میں معدوم ہو جائے گا۔لندن اور پیرس کے گوداموں میں شالوں کے انبار لگے ہیں جن کا کوئی خریدار نہیں۔دوسری طرف کشمیر میں اس کی قیمت دس سال پہلے کے مقابلہ میں ایک تہائی رہ گئی ہے۔''

© NCERT not to be republished

تبدیلی سے ہم اہنگی: اینگلو انڈین کلکتہ* میں روایتی پٹوا دستکار

کالی گھاٹ پینٹنگ، دیہی لوک روایت کی 'پٹ' پینٹنگ سے کافی مختلف تھی۔ اس فن میں جو نئی نئی تبدیلیاں رونما ہوئیں وہ ان مہاجر دیہاتیوں کے شہری ماحول سے موافقت پیدا کرنے، یہاں دستیاب نئی سہولتوں اور مانگ کے سبب از خود رونما ہوئیں۔ شہر میں بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے اپنی اور تصاویر کو جلدی، سستی قیمت پر اور کثیر تعداد میں بنانے کی ضرورت کے تحت اپنے آرٹ اور کام کرنے کے طریقہ میں بنیادی تبدیلیاں کیں۔ مثلاً کپڑے کے ساتھ ساتھ کاغذ کا استعمال، گواش اور پکے رنگوں کی جگہ واٹر کلر کا استعمال نیز مسلسل بیانیہ کی لپٹی ہوئی پینٹنگ کی جگہ ایک ہی فریم میں خالی پس منظر والی تصاویر اختیار کرنا۔ اس طرح کالی گھاٹ پینٹنگ کے موضوع اور تصاویر میں نیا پن آیا۔ جس میں کچھ موضوع براہِ راست برطانوی اور کمپنی پینٹنگ سے اخذ کیے گئے تھے جبکہ بیشتر تصاویر اس عہد کے کولکاتا کے بابو سماج میں پٹوا برادری کی کشمکش کی عکاسی کرتی ہیں۔

اینگلو اینڈ میں کولکاتا سماج کے اثرات سے نبرد آزما پٹوا برادری ایک ذہنی کوفت سے دوچار تھی جس کا برملا اظہار ہمیں ان کی طنزیہ تصاویر میں نظر آتا ہے...

بے راہ روزندگی اور شہری مانگوں کے خلاف ان کی مزاحمت اس بات سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ خود اپنی روش اور گذر بسر اپنے طور طریقے پر ہی کرتے تھے۔ شہر منتقل ہونے کے باوجود یہ کاریگر سختی سے اپنی دیہی زندگی اور وہاں کے رشتے ناتوں اور ذات برادری سے جڑے ہوئے تھے۔ فنکارانہ طور پر بھی وہ غیر قدرتی اور دوہرے طرز کے تحت اپنے تجربات و احساسات کی عکاسی کرتے تھے۔ اس طرح پانی کے رنگوں کا جو وسیلہ انھوں نے اختیار کیا تھا اسے بھی انھوں نے ہموار اور چمکیلے رنگوں کے روایتی انداز میں ڈھال لیا اور شیڈنگ کو باہری کناروں پر شکلوں اور چیزوں کے خطوط اور تاثرات کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیا اور یہ ان کے طنز کی نوعیت کا ایک شاندار نمونہ ہے۔

ان سستی تصاویر کے خریدار عام طور پر شہر کے عوام تھے جو کولکاتا کے اونچے طبقے کی مغربی روش اور بدلی ہوئی اقدار سے خود کو علاحدہ تصور کرتے تھے۔

-تاپتی گوہا-ٹھکرتا

دی میکنگ آف نیو انڈین آرٹ

---

* موجودہ کولکاتا

© NCERT not to be republished

(Association)قائم کی گئی۔ جبکہ 1859 میں مانچسٹر کپاس کمپنی (Manchester Cotton company) کی تشکیل ہوئی۔اس کا مقصد دنیا کے تمام گوشوں میں کپاس کی پیداوار کو فروغ دینا تھا۔ ہندوستان کواس نظریہ سے دیکھا جانے لگا کہ امریکہ سے درآمد ختم ہوجانے کی صورت میں یہاں کی کپاس لنکاشائر کے لیے درآمد ہوسکتی ہے۔ ہندوستان کے پاس کپاس اُگانے کے لیے معقول مٹی، موافق آب وہوااور سستے مزدور میسر تھے۔

1861 میں جب امریکہ میں خانہ جنگی کی ابتدا ہوئی تو برطانیہ کے کپاس کے تمام علاقوں میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ امریکہ سے خام کپاس کی درآمد گھٹ کر تین فی صد رہ گئی۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک کو بھی مستقل پیغام بھیجے جانے لگے کہ وہ برطانیہ کو کپاس برآمد کرنے کی مقدار میں اضافہ کرے۔ بمبئی*میں کپاس کے سوداگر کپاس پیدا کرنے والے ضلعوں کا دورہ کرنے لگے تاکہ اس کی فراہمی کا اندازہ لگایا جاسکے اور کپاس کی کاشت کاری کی حوصلہ افزائی کی جاسکے۔ جیسے ہی کپاس کی قیمت میں اضافہ ہوا برطانیہ کی مانگ کے پیش نظر وہاں درآمد زیادہ بڑھ گئی۔ شہری ساہوکاروں کو پیشگی رقم دی جانے لگی جو دیہی مہاجنوں کو پیداوار کے وعدہ پر اُدھار دینے لگے۔

دکن کے دیہی علاقوں میں اس پیش رفت کا خاصا اثر ہوا۔ دکن کی عوام کو اچانک غیر محدود مقدار میں قرضے ملنے لگی۔ کپاس کی کاشت کے لیے انھیں فی ایکڑ سو روپے ملتے تھے۔ کثیر مدتی قرض دینے

ممبئی بندرگاہ: اٹھارھویں صدی کے اواخر کا ایک خاکہ

* موجودہ ممبئی

1813 میں کپڑے کی مقامی صنعت کے دباؤ میں برطانوی حکومت نے ہندوستانی کپڑوں کی درآمد پر بہت زیادہ ٹیکس لگانے شروع کر دیے۔ دوسری جانب، برطانوی سامان کو بغیر کسی محصول کے آزادی کے ساتھ ہندوستان لایا جانے لگا۔ اس کا تباہ کن نتیجہ سب کو معلوم ہے۔ 1814 سے 1835 کے درمیان برطانوی سوتی کپڑوں کی ہندوستانی درآمد 10 لاکھ گز سے بڑھ کر تین کروڑ دس لاکھ گز ہو گئی۔ جبکہ انھیں سترہ سالوں میں ہندوستان سوتی کپڑوں کی برآمد میں پہلے کے مقابلے میں تیرہ گنا کمی آئی۔ کپڑوں کے پھلتے پھولتے شہر، ڈھاکہ، مرشدآباد، سورت اور مدورئی وغیرہ بے کار ہوگئے۔ برطانوی صنعتی انقلاب نے ہندوستانی کپڑوں کی تجارت کو بہت نقصان پہنچایا۔ ہم کرگھے پر بنے کپڑوں کے برآمد کرنے والے ملک سے کچی کپاس برآمد کرنے والے بن گئے، ساتھ ہی ہندوستان مِل کے بنے ہوئے غیر ملکی کپڑوں کا ایک منڈی بن گیا جس نے گھریلو کپڑے کی صنعت کو مزید زک پہنچائی۔

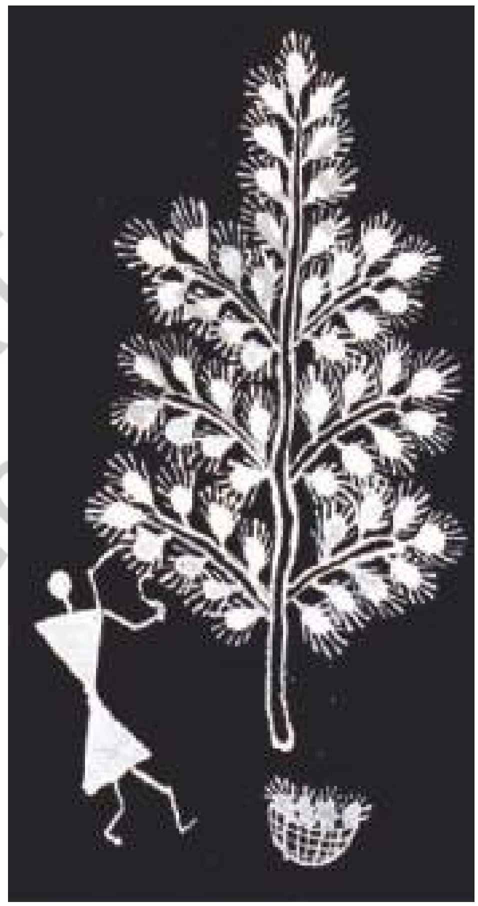

برطانوی حکومت کے ذریعہ لگائے گئے نئے ٹیکس اور کپڑوں کی بنائی کے طریقے میں تبدیلی کے نتیجہ میں کسانوں کی صورتِ حال، جو مکمل طور پر کھیتی پر منحصر تھے، مزید خراب ہو گئی۔ یورپ میں بنکر طبقے بشمول عورتوں کو نئی صنعتوں میں ملازمت ملی مگر ہندوستان میں مردوں کو بھی بہت کم مواقع ملے۔ انھوں نے پہلے ہی سے افلاس زدہ کاشتکاری کے مزدور بازاروں کی طرف رجوع جس کے سبب مزدوری کا معاوضہ مزید کم ہوگیا۔ ہزاروں لوگ نہ صرف کپڑے کی صنعت بلکہ لوہے، شیشے، کاغذ، مٹی کے برتن اور زیورات کی صنعتوں کے بیٹھ جانے سے بری طرح متاثر ہوئے۔

1834 میں گورنر جنرل ولیم بینٹنک نے خود لکھا ''مالیات کی تاریخ میں اس پریشانی کی مثال نہیں ملتی۔ سوتی کپڑے کے بنکروں کی ہڈیوں سے ہندوستان کے میدانی علاقوں کو آب و تاب دی جا رہی ہے۔

ٹیکسٹائل کی تجارت پر نوآبادیات کا اثر

1860 سے قبل برطانیہ میں خام کپاس کی تین چوتھائی درآمد امریکہ سے ہوتی تھی۔ برطانیہ کے کپاس بنانے والے کافی مدت سے امریکی سپلائی کے انحصار کے سبب پریشان تھے۔

1857 میں برطانیہ میں کپاس فراہم کرنے کی تنظیم (Cotton Supply

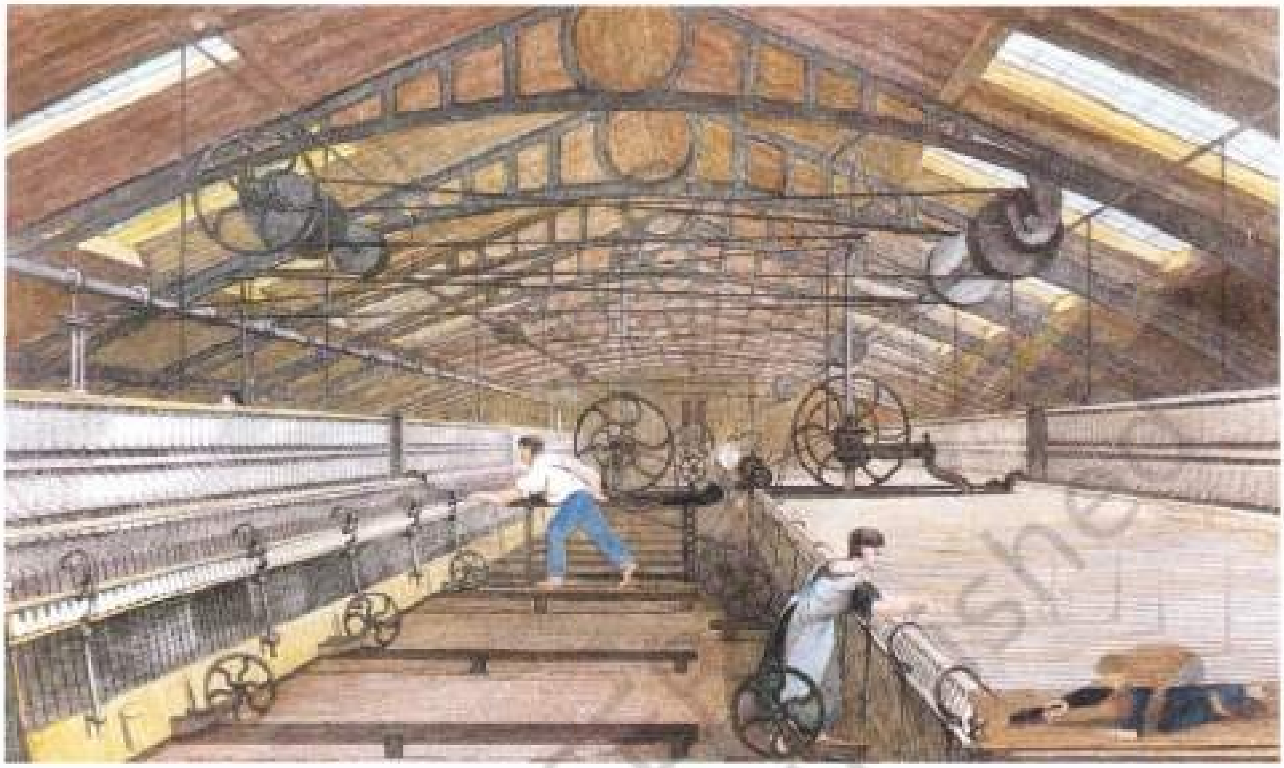

1830 کا کتائی کا کارخانہ

(شنگھائی اور ہانگ کانگ کے راستے) کے لیے ایک بار پھر برآمد کیا جاتا تھا۔

انگلستان میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے تجارت کا رخ بدل گیا جس میں کپاس ہندوستان سے انگلستان کو برآمد کیا جاتا اور مشین کے ذریعہ تیار کردہ سوتی کپڑے ہندوستان واپس لائے جاتے اور فروخت کیے جاتے۔ برطانوی صنعتوں کے لیے ہندوستان میں خام مال کی پیداوار کو فروغ دینے اور برطانوی صنعتوں کی ہندوستان میں کھپت کی نوآبادیاتی پالیسی نے ہندوستانی معیشت کو بری طرح نقصان پہنچایا۔ اس کے ساتھ تباہ کن قحط، حد سے زیادہ ٹیکس اور محصولات کا واپس انگلستان بھیجنا ہندوستان کے دستکاروں کی بگڑتی ہوئی حالت کے بنیادی اسباب تھے۔ صنعت کاری کے یہ وہ تباہ کن اثرات تھے جن سے گاندھی جی متاثر ہوئے جو ہندوستان کی آزادی کی لڑائی کے سلسلے میں اپنے تصورات کو شکل صورت دے رہے تھے۔

© NCERT not to be republished

کے لیے ساہوکار بھی خوب تیار رہتے تھے۔1862 تک برطانیہ میں درآمد ہونے والا90فی صد کپاس ہندوستان سے جانے لگا۔

قرض میں کمی

چند ہی برسوں میں امریکہ میں خانہ جنگی ختم ہوگئی اور وہاں کپاس کی پیداوار پرانے طرز پر ہونے لگی لہٰذا برطانیہ کے لیے ہندوستان کی کپاس کی برآمد میں تیزی سے کمی آتی گئی۔

خانہ جنگی کے خاتمہ پر برطانیہ کی امریکہ کے ساتھ کپاس کی تجارت دو وجوہات کی بنا پر از سرِ نو بحال ہوئی۔ ایک تو امریکی کپاس عمدہ تھا (کیونکہ اس میں دو دیسی قسموں کے لمبے اور مضبوط سوت یا ریشے ہوتے تھے)۔ دوسرے امریکی اور کیریبیائی کپاس کی کاشت کافی سستی ہوتی تھی کیوں کہ وہ بے اجرت غلاموں کے ذریعہ پیدا کی جاتی تھی۔ امریکہ میں انیسویں صدی کے وسط تک کپاس کی زراعت اور فصل کی کٹائی وہاں کے غلاموں کا سب سے بڑا پیشہ بن گیا تھا۔ برآمدکار سوداگر اور ساہوکار اب دکن میں مزید کثیر مدتی قرض دینے کے لیے کو تیار نہیں تھے۔ اس لیے انھوں نے قرضے دینے کا عمل بند کرنے کا فیصلہ کیا اور کسانوں کو پیشگی رقم ملنے میں کمی آئی۔ وہ بقایا دین کی ادائیگی کی مانگ بھی کر رہے تھے جس کے نتیجہ میں دستکار اور کسان مزید مفلس ہوگئے۔

ٹکنالوجی میں بہتری اور عالمی بازار میں بڑھتے اختیار نے برطانوی تاجروں کے لیے ایک قسم کے تجارتی سلسلہ کے فروغ کی راہ ہموار کی جس میں سب سے پہلے نوآبادیاتی علاقوں کے کھیتوں سے کچے کپاس کے ریشوں کو خریدا جاتا، پھر اس سے لنکا شائر کی کپاس ملوں میں سوتی کپڑے بنائے جاتے اور تب انھیں برطانوی جہاز پر لاد کر اپنے غلام نوآبادیاتی بازاروں مثلاً مغربی افریقہ، ہندوستان اور چین

برطانیہ میں صنعت کاری

صنعتی انقلاب کی آمد سے برطانیہ میں سوتی کپڑوں کی پیداوار میں انقلاب برپا ہوگیا اور کپڑا برطانیہ کی برآمد کرنے والی نمایاں شے بن گئی۔1738 میں برمنگھم، انگلستان کے لیوس پال اور جان یاٹ نے کتائی رولر مشین (Spinnig Machine Roller) اور چرخی مشینوں کی رفتار کو باقاعدہ رکھنے والے ایسے آلات کو پیٹنٹ کرایا جس سے بابن کے ذریعہ کپاس کو کھینچا اور دبیز بنایا جاتا تھا۔1764 میں اسپننگ جینی (Spinning Jenny) کی ایجاد سے برطانوی بنکروں کو کپاس کے دھاگے اور کپڑے کافی تیز رفتاری سے بنانے میں مدد ملی۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر سے برطانوی شہر مانچسٹر کو 'کاٹنوپولس' یعنی کپاس کا شہر کا لقب ملا کیونکہ شہر میں ہر جگہ کپاس صنعت کی موجود تھی جس سے بین الاقوامی کپاس کی ایجاد سے مزید فروغ ملا۔ اس کی ایجاد 1793 میں امریکی باشندہ ایلی وٹنی نے کی۔

اٹھارھویں صدی	ہندوستان	کل عالمی آمدنی میں اورنگ زیب کے ہندوستان کا 24.4 فی صد حصہ تھا جو دنیا میں سب سے زیادہ تھا۔ مغلوں کی طاقت میں کمی کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستانی سوداگروں کے مابین تجارت کو منتشر کرنا شروع کر دیا۔
	چین	1760 میں جب عالمی تجارت میں چین کا حصہ کم ہونے لگا تو چینی حکومت غیر ملکی باشندوں اور غیر ملکی جہازوں پر شرائط عائد کرنیلگی۔ کینٹن وہ واحد بندرگاہ ہے جو غیر ملکیوں کے لیے کھلی ہوئی تھی۔ اپنی آزادی کی جنگ (1776) کے بعد امریکہ نے چین کے ساتھ تجارت شروع کی جو برطانیہ کے لیے خاصے نقصان کا باعث بنی۔
انیسویں صدی	ہندوستان	1820 تک ہندوستانی معیشت پر ایسٹ انڈیا کمپنی مکمل طور پر (عالمی آمدنی کے 16 فی صد حصہ پر) قابض ہو گئی تھی۔ کمپنی نے ہندوستانی زراعت کے طرز کو بدل دیا۔ 1870 تک عالمی آمدنی میں ہندوستان کا حصہ گھٹ کر 12.2 فی صد رہ جاتا ہے۔
	چین	قنگ بادشاہ نے غیر ملکی تاجروں کے لیے ساری بندرگاہیں کھولنے سے انکار کر دیا اور ہندوستان کے ساتھ افیم کی تجارت کو محدود کر دیا۔ چین اور برطانیہ کے مابین دو مرتبہ جنگ ہوئی۔ شکست خوردہ چین نے افیم کی تجارت کو قبول کیا اور مغربی سوداگروں کو اس کی اجازت دے دی۔ 1843 سے 1855 کے مابین آٹھ برس تک چائے کی برآمد میں 500 فی صد کا اضافہ ہوا۔
بیسیویں صدی	ہندوستان	1913 میں عالمی آمدنی میں ہندوستانی معیشت کا حصہ محض 7.6 فی صد رہ گیا۔ آزادی کے پانچ سال بعد 1952 میں یہ مزید گھٹ کر 3.8 فی صد ہی رہ گیا۔ اگرچہ 1973 تک معیشت بڑھ کر 494.8 ملین امریکی ڈالر ہو گئی تھی تاہم عالمی آمدنی میں اس کا حصہ 3.1 فی صد ہی رہا۔ 1991 میں معیشت میں اصلاح شروع ہوئی اور 1998 تک عالمی آمدنی میں ہندوستان کا حصہ 5 فیصد ہو گیا۔ 2005 تک ہندوستانی معیشت بڑھ کر 3815.6 ملین امریکی ڈالر تک پہنچ گئی اور عالمی آمدنی میں اس کا حصہ 6.3 فی صد ہو گیا۔
	چین	1949 میں اشتراکی چین کے وجود میں آنے سے قبل، یہاں کی اہم پیداواروں میں سوت، کوئلہ، خام تیل، کپاس اور اناج شامل تھے۔ ماؤز دونگ ملک کو اشتراکیت کے راستے پر لے گئے۔ 1980 میں ڈینگ زیاؤ پنگ (Dening Xiaoping) کی قیادت میں چین نے اپنا راستہ تبدیل کیا اور شین زون Shenzhen میں خصوصی اقتصادی خطے (Special economic zone) قائم کیے گئے۔ 1986 کی ڈینگ کی آزادانہ (Open Door) پالیسی نے براہ راست غیر ملکی سرمایہ کاری کی راہ ہموار کی۔ 1992 میں ڈینگ بازار کی اصلاحات رفتار کو مزید تیز کیا تا کہ اشتراکی معیشت کی منڈی قائم ہو سکے۔ پہلی مرتبہ چین دنیا کی دس بڑی معیشتوں میں شمار کیا جانے لگا۔ 2001 میں یہ عالمی تجارتی تنظیم (WTO) میں شامل ہوا۔

© NCERT not to be republished

عروج، زوال اور عروج...

پندرھویں سے اٹھارویں صدی کے درمیان عالمی تجارت کے تقریباً نصف حصہ پر چین اور ہندوستان کا قبضہ تھا۔ یہی رجحان انیسویں صدی میں ہندوستان کے برطانوی مملکت کا حصہ بننے تک قائم رہا، ساتھ ہی اس درمیان چینی تجارت پر انگلستان، فرانس اور امریکہ جیسے ممالک جن کا بحری راستوں پر قبضہ تھا، کافی حد تک قابض ہو گئے۔ بیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان آزاد ہوا اور چین نے اشتراکیت کی طرف رخ کیا اور دونوں ممالک نے اپنی معیشت کو از سر نو بحال کرنا شروع کیا۔ اکیسویں صدی کے اوائل میں چین اور ہندوستان دنیا کی سب سے زیادہ تیزی سے بڑھتی ہوئی معیشتیں بن گئی ہیں اور عالمی تجارت کا مرکز ایک بار پھر مشرق کی جانب جھکتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ذیل میں گذشتہ پانچ سو سال کے دوران ایشیا کے بڑے ممالک کی ترقی کی جھلک دکھائی گئی ہے۔

سولھویں صدی	ہندوستان	عرب تاجر ہندوستانی کو جہازوں کے ذریعہ بحر احمر اور بحر روم کی بندرگاہوں کے راستے یوروپ لے جاتے اس وقت عالمی آمدنی کا 24.5 فی صد حصہ ہندوستانی معیشت کی دین تھا جو چین کے بعد دنیا کا دوسرا سب سے بڑا حصہ تھا۔ یہ وہ عہد تھا جب ہندوستان میں تجارت کا توازن پایا جاتا تھا اور ہندوستان کپڑے، چینی، مسالا، نیل، قالین وغیرہ کے بدلے سونا اور چاندی حاصل کرتا تھا۔
	چین	چین اور یوروپ کے درمیان بلا واسطہ بحری تجارت کی شروعات 1557 میں اس وقت ہوئی جب پرتگالیوں نے مکاؤ (Macao) کی ایک باہری چوکی بندرگاہ کو اجارہ پر دیا۔ دوسرے یورپی ممالک نے اس کی پیروی کی جبکہ ہندوستان اور چین ایک دوسرے کے ساتھ زمینی راستے سے تجارت کرتے رہے۔
سترھویں صدی	ہندوستان	اس صدی کے اختتام پر مغلیہ ہندوستان کی سالانہ آمدنی برطانوی بجٹ سے زیادہ ہو گئی۔ شاہجہاں کے دور میں جب مغل حکومت اپنے عروج پر تھی، اس وقت ہندوستانی برآمدات اس کی درآمدات سے زیادہ ہو گئیں تھیں۔ کئی چیزیں بڑی ساری مقدار میں یہاں سے باہر فروخت کی جا رہی تھیں۔ چینی جہاز قولن اور کالی کٹ کی بندرگاہوں پر لنگر انداز ہوتے جب کہ کھمبات کی بندرگاہ پر اس قدر تجارت ہوتی تھی کہ وہاں ہر سال تین ہزار سے زیادہ جہاز پہنچتے۔
	چین	عالمی تجارت کے ایک چوتھائی حصہ پر چین ہی کا قبضہ رہا۔ 1637 میں کینٹن کے مقام پر انگریزوں نے ایک تجارتی چوکی قائم کی۔ 1680 کے عشرہ میں بادشاہ قنگ کی جانب سے بحری تجارت کی بندشوں کو کم کرنے کی وجہ سے تجارت کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ اس وقت تک تائیوان قنگ کے زیر اقتدار آ چکا تھا۔ لیکن بحری تجارت کی وجہ سے چین کے مختلف غلبے کی صورت حال جاری رہنے کے متعلق اندیشے پیدا ہو گئے۔

© NCERT not to be republished

مشق

1۔ تصور کیجیے کہ آپ سترھویں صدی کے ہندوستان میں ایک مہم جو انگریز سیاح کے طور پر وارد ہوئے ہیں۔ بتائیے کہ آپ کو کون سی دستکاریاں نظر آئیں؟ اپنے وطن واپس لے جانے کے لیے آپ کیا خریدیں گے اور کیوں؟

2۔ نوآبادیات نے ہندوستان کو دستکاری کی اشیا بنانے والے ملک سے خام مواد فراہم کرنے والا ملک بنا دیا۔ اختصار کے ساتھ اس تبدیلی کا ذکر کریں کہ اس تبدیلی نے کس طرح ہندوستان میں دستکاری کی صنعت کو متاثر کیا۔

3۔ ہندوستان میں کپڑا بننے کی تاریخ کا ایک چارٹ بنائیے یا اسے باتصویر کہانی کے طور تحریر کیجیے۔

4۔ صنعت کاری نے اٹھارھویں صدی کے انگلستان میں دستکاری کی اشیا کی شکل وصورت بدل دی۔ بیسویں صدی میں ہندوستانی دستکاری کو اس نے کس طرح متاثر کیا؟

5۔ گذشتہ پانچ سو برس کی ہندوستان اور چین کی تجارت کا موازنہ کریں اور ان کے درمیان فرق بتائیں۔ گراف یا جدول کے ذریعہ وضاحت کریں۔

© NCERT not to be republished

جدید پیشے، قدیم ہنر: زرگروں سے چھاپہ خانہ تک

1860 اور 1870 کی دہائیوں میں لکڑی اور دھات پر کندہ کاری کرنے والا طبقہ 'بت تالا(Bat-tala)' کلکتہ کا سب سے نمایاں دستکار گروہ بن گیا تھا۔

روایتی کاریگروں کا گروہ مثلاً لوہار، سنار، تانبے اور چاندی کے دستکار (کنساری، شنکھری، سورنکار اور کرماکر) کو برطانیہ کی ملکیت والے کلکتہ اور سیرم پور نئے چھاپہ خانوں میں ملازمت ملی تو ابتدا میں انھوں نے دھاتوں پر کام قدیم فن و ہنر کو ٹائپ فیس اور چھپائی بلاک تیار کرنے کے لیے موزوں بنایا۔ 1820 اور 1830 کی دہائیوں تک یہ چھپائی کرنے والے ایک علاحدہ طبقہ کی شکل میں ظاہر ہوئے جو بنیادی طور پر بلاک پر کام کرتے تاکہ سستی بنگالی کتابوں میں شائع ہونے والی چھوٹی چھوٹی تصویریں بنائی جا سکے۔

اس کے نتیجہ میں ان کاریگروں کی سماجی حیثیت اور معاشی امکانات میں کچھ اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ بت تالا(Bat-tala) کے کندہ تراش ان روایتی دستکاروں کے طبقہ سے ابھرے تھے جنھیں مختلف دھاتوں کو کاٹنے، کندہ کرنے، کھودنے اور چھیلنے کے ہنر آتے تھے۔ ان میں سے کچھ تو سُتر دھار اور شنکریوں کی اس کاریگر برادری سے نسبت رکھتے تھے جن کا کالی گھاٹ پٹوا کا تعلق تھا۔ لیکن کالی گھاٹ پٹوا برادری کے برخلاف ان کندہ تراشوں نے اپنے کئی موروثی اور ذات پات سے متعلق پیشوں کو خیر باد کہہ دیا تاکہ وہ ایک نئی اور تغیر پذیر طباعت والی برادری میں شامل ہو سکیں۔ ایسے لوگ بڑی تعداد میں مطبع اور بلاک سازی کی طرف رجوع کرنے لگے جن کا تعلق مختلف ذاتوں (یہاں تک کہ برہمن) سے تھا اور اس طرح انھیں اس تجارت میں ایک نیا روزگار مل گیا۔

—— تاپتی گوہا-ٹھاکرتا
دی میکنگ آف
نیو انڈین آرٹ

چھپائی خانوں میں رکھے ہوئے ٹائپ اور (باکس میں) ایک عارضی فریم پر سیٹ کیے ہوئے ٹائپ

© NCERT
not to be republished

© NCERT
not to be republished